پاکستان کی نظریاتی اساس

اور

ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی

محمد مظہر الدین صدیقی

برصغیر کے مسلمانوں نے پاکستان کے مطالبے کا آغاز کیا تو اس مطالبہ پر ہندوؤں کی جانب سے جو اعتراضات کئے گئے تھے ان میں سے ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ مذہب خدا اور بندے کا ایک نجی معاملہ ہے اس کو سیاست میں ملوث نہیں کرنا چاہیئے۔ اس کے جواب میں مسلمانوں کی طرف سے یہ دلیل پیش کی گئی کہ اسلام بمعنی عام کوئی مذہب نہیں بلکہ ایک جامع نظام حیات ہے جو انفرادی اور اجتماعی زندگی کے جملہ شعبوں سے قریبی تعلق رکھتا ہے۔ مطلب یہ تھا کہ پاکستان کے مطالبے کی غرض و غایت صرف یہی نہیں کہ ہم ہندوؤں سے الگ ایک وطن حاصل کریں بلکہ ہم اپنے انفرادی اور اجتماعی معاملات کو اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھالنا چاہتے ہیں اس لئے ایک علیحدہ وطن اور جداگانہ حکومت کے قیام کے طالب ہیں۔

اس زمانہ کے سیاسی حالات ایسے تھے کہ ہمیں اپنے اس دعویٰ کے جملہ مضمرات پر تفصیلی غور و خوض کا موقع نہیں ملا۔ بہت کم لوگوں نے اس مسئلے کا بے لاگ تجزیہ کرنے کی کوشش کی کہ جدید حالات کے تحت ایک جدید اسلامی حکومت اور معاشرہ میں اسلامی احکام اور اصولوں کو کس طرح بروئے کار لایا جائے گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب پاکستان بن گیا اور اہل حکومت کو اجتماعی معاملات سے سابقہ پڑا تو اسلامی اصولوں اور احکام کے بارے میں کوئی اتفاق رائے نہ ہو سکا۔ پاکستان کے ابتدائی دور میں تعلیماتِ اسلامی کا ایک بورڈ قائم کیا گیا تھا مگر نامعلوم وجوہ کی بنا پر کچھ عرصہ کے بعد یہ بورڈ بھی ختم ہو گیا اور اس کی کوئی واضح سفارشات سامنے نہ آسکیں۔

حکومتی معاملات کو اسلامی اصولوں پر چلانے کے بعد معاشرہ کا نقشہ کیا ہوگا اس کا تصوّر مختلف ذہنوں میں مختلف ہے۔ عوام الناس کے ذہن میں اس کا نقشہ یہ ہے کہ اسلامی حکومت میں نظام زکوٰۃ قائم کرکے سب کو روٹی مہیا کی جائے گی۔ عدالتی انصاف سستا اور آسان ہوگا۔ معاشرتی پاکیزگی عام ہوگی اور فحاشی اور عریانی کا خاتمہ کردیا جائے گا نیز افرادِ معاشرہ کے باہمی تعلقات میں اخوت اور مساوات کا جذبہ کار فرما ہوگا۔ غرضکہ جتنی خوبیاں معاشرہ اور حکومت میں ہوسکتی ہیں وہ سب موجود ہوں گی۔ قدامت پرست طبقہ کے ذہن میں اسلامی نظامِ حکومت کا جو تصوّر ہے وہ مغلیہ دَورِ حکومت یا عباسی دَور کے معاشرتی ڈھانچہ کا ایک عکس ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر قرونِ وسطیٰ کے فقہی مذاہب کے وضع کردہ قوانین نافذ کردیئے جائیں۔ شرعی عدالتیں قائم کردی جائیں اور جدید تعلیم کے ساتھ اسلامیات کی تعلیم لازم قرار دی جائے نیز دینی درس گاہیں بھی قائم رہیں تو یہی اسلامی نظام کا عملی نفاذ ہوگا۔ اس کے برعکس ایک طبقہ ان لوگوں کا ہے جو عہدِ جدید کی پیچیدہ زندگی اور اس کے مسائل سے باخبر ہیں اور بجا طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ عباسیوں یا مغلوں کے دورِ حکومت میں اسلامی نظام کا جو ڈھانچہ تھا اسے بعینہٖ از سرِ نو قائم کرنا سعیٔ لاحاصل ہوگی۔ اور اگر اسلامی نظام کا نفاذ مطلوب ہے تو اس کی صرف یہی صورت ہے کہ جدید حالات، مسائل اور تقاضوں کی روشنی میں قرآن و سنّت سے براہِ راست احکام کا استنباط کیا جائے اور قرونِ وسطیٰ کے فقیہوں کے اجتہادات پر کلی اعتماد نہ کیا جائے۔

ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی کے قیام اور اس کے مقاصد کو سمجھنے کے لئے اس ذہنی پس منظر کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔ اس ادارہ کے کام کو جانچنے کا صحیح طریقہ بھی یہی ہے کہ ہم یہ اندازہ لگائیں کہ اس ادارہ نے اپنی کتابوں کے ذریعہ اسلام کا کون سا تصوّر پیش کیا ہے آیا وہ تصوّر جو قدامت پرست طبقہ کے خیالات و افکار کا ترجمان ہے یا وہ جو جدید روشن خیال طبقہ کی ترجمانی کرتا ہے۔ یہ ادارہ باقاعدہ طور پر ۱۹۶۰ء میں قائم ہوا تھا اور اس کے مقاصد کی جو وضاحت اس وقت کی گئی تھی وہ حسبِ ذیل ہے:

"UNDERTAKING OF ISLAMIC RESEARCH AND INSTRUCTION IN ISLAM FOR THE PURPOSE OF ASSISTING IN THE RECONSTRUCTION OF MUSLIM SOCIETY ON A TRULY

ISLAMIC BASIS."

یعنی "یہ ادارہ ایسے تحقیقی اور تعلیمی منصوبوں پر کام کرے گا جن سے صحیح اسلامی بنیادوں پر مسلم معاشرہ کی تعمیر نو میں مدد مل سکے"

اس عبارت میں دو نکتے خاص طور پر قابلِ غور ہیں۔ ایک یہ کہ مسلم معاشرہ کی تعمیر صحیح اسلامی بنیادوں پر کی جانی چاہیئے جس کا مطلب یہ ہے کہ مسلم معاشرہ کی موجودہ ہیئت صحیح اسلامی بنیادوں پر استوار نہیں ہے۔ دوسرا نکتہ تعمیرِ نو کا ہے۔ اس سے یہی تصور پیدا ہوتا ہے کہ معاشرہ کی تعمیر اب تک جس نہج پر ہوئی ہے وہ نقائص سے پاک نہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی نے ان مقاصد کی تکمیل کہاں تک کی ہے۔

ادارہ نے اب تک جو کتابیں شائع کی ہیں ان میں دونوں ہی قسم کی کتابیں شامل ہیں یعنی وہ کتابیں جو جدید روشن خیال طبقہ کے خیالات کی نمائندگی کرتی ہیں اور وہ جو قدامت پرست طبقہ کے خیالات اور طرزِ فکر کی ترجمان ہیں۔ اس مضمون میں ادارہ کی شائع کردہ تمام کتابوں پر تبصرہ کرنا تو ممکن نہیں البتہ دونوں قسم کی چیدہ چیدہ کتابوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

ادارہ کی ایک قابلِ ذکر تصنیف ISLAMIC METHODOLOGY IN HISTORY ہے۔ اس کتاب میں سنّت کے بارے میں ایسا مواد پیش کیا گیا ہے جس سے سنّت کے مروّجہ مفہوم میں تصحیح کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اس کتاب میں سنّت اور اجماع کے باہمی تعلق کو بھی واضح کیا گیا ہے اور اس میں مسلمانوں کی بعض تحریکات مثلاً تصوّف کا بھی بے لاگ تجزیہ کیا گیا ہے۔ یہ کتاب جدید خیالات و افکار کی آئینہ دار اور قدامت پرست طبقہ کے نظریات پر ایک جرأت مندانہ تنقید ہے۔ اسی طرح کی ایک اور کتاب THE EARLY DEVELOPMENT OF ISLAMIC JURISPRU-DENCE ہے جس میں قدیم فقہ کے ارتقائی مراحل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کتاب کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے قدامت پرست طبقہ پر یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اسلامی فقہ کی موجودہ منجمد صورت بعد کی صدیوں کی پیداوار ہے۔ اسلام کے ابتدائی دَور میں فقہی مسائل پر آزادانہ ماحول میں بحث و تمحیص ہوتی تھی اور اس میں نئے نئے اجتہادات کے باعث مسلسل نشوو ارتقاء ہو رہا تھا۔ فقہ کے موضوع پر ایک اور کتاب بھی ادارہ سے شائع ہونے والی ہے جس میں شاطبی کے فقہی افکار و نظریات پر بحث کی گئی ہے۔ شاطبی کے افکار

ترقی پسندانہ رجحانات کے آئینہ دار ہیں۔ اس طرح یہ کتاب بھی جدید روشن خیال مسلمانوں کے نقطۂ نظر
کی تائید کرے گی۔ ادارہ کی طرف سے اجماع کے مسئلہ پر بھی ایک کتاب تصنیف کی گئی ہے مگر ابھی تک
اس کی طباعت و اشاعت کی نوبت نہیں آئی۔ اگرچہ اس کتاب میں اجماع کے متعلق قدماء کے افکار
پر روشنی ڈالی گئی ہے لیکن اس کے ایک باب میں جدید روشن خیال طبقہ کے نظریات سے بھی بحث کی گئی
ہے جس سے قدامت پرستانہ ذہنیت متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ ادارہ کی طرف سے ایک کتاب
THE QURANIC CONCEPT OF HISTORY یعنی قرآن کے نظریۂ تاریخ پر شائع ہو چکی
ہے۔ اس کتاب میں قرآنی تعلیمات اور جدید حالات کی روشنی میں ایک اسلامی فلسفۂ تاریخ کی بنیاد
ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اگرچہ اس میں قدیم مفسّرین کے آراء و نظریات سے بھی استشہاد کیا گیا ہے
مگر جہاں ضرورت محسوس ہوئی ان کے نظریات سے اختلاف بھی کیا گیا ہے۔ یہ کتاب بھی جدید
افکار و نظریات کی آئینہ دار ہے۔ اسی طرح کی ایک اور کتاب MODERNISTIC THOUGHT
IN ISLAM لکھی گئی ہے جس میں مغربی استعمار کے دَور میں مسلمان مفکّرین کے اجتہادی افکار پیش
کئے گئے ہیں۔ مثلاً جمال الدین افغانی، محمد عبدہٗ، سر سیّد احمد، امیر علی، شبلی، اقبال اور طٰہٰ حسین
وغیرہ کے افکار پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ افسوس کہ یہ کتاب اب تک شائع نہیں ہوئی ورنہ اس
سے جدید روشن خیال طبقہ کے افکار و نظریات کی تبلیغ و اشاعت میں بڑی مدد ملتی۔ ادارہ کے ایک
رکن نے ابو عبید کی تصنیف کتاب الاموال کا اُردو ترجمہ کیا ہے جس سے ابتدائے اسلام اور قرونِ
وسطیٰ میں مسلمانوں کے مالیاتی نظام کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ جہاں تک اصل کتاب کا تعلق ہے اس میں
جدید مسائل سے کوئی تعرّض نہیں کیا گیا ہے مگر مترجم نے اس کتاب پر ایک بسیط مقدمہ لکھا ہے جو
جدید افکار کا آئینہ دار اور قدامت پرست طبقہ کے لئے ایک چیلنج ہے۔

ادارہ کی جو کتابیں قدامت پرستانہ طرزِ فکر کی ترجمانی کرتی ہیں ان میں سب سے اہم مجموعہ قوانینِ اسلام
ہے۔ اس کتاب میں نکاح و طلاق، ہبہ، وصیت اور وراثت وغیرہ کے متعلق فقہی احکام جُوں کے توں
جمع کر دیئے گئے ہیں۔ مصنف نے خود اپنے ذاتی اجتہاد سے کوئی کام نہیں لیا ہے۔ یہ کتاب شاید وکلاء اور جج
صاحبان کے لئے مفید ہو مگر اس سے ان لوگوں کے ذہن کو کوئی تشفی حاصل نہیں ہو سکتی جو جدید مسائل کی پیچیدگیوں

سے باخبر اور قدیم فقہی مکاتبِ خیال کو موجودہ زمانہ کے مسائل حل کرنے کے سلسلہ میں ناکافی خیال کرتے ہیں۔ اسی قسم کی ایک اور کتاب امام شافعی کی تصنیف کتاب الرسالۃ کا اُردو ترجمہ ہے۔ اس کتاب کا فائدہ صرف یہ ہے کہ اُردو خواں طبقہ کو امام شافعی کے متعلق کچھ تحقیقی مواد ہاتھ آجاتا ہے اور بس۔ اصول حدیث پر بھی ایک کتاب لکھی گئی ہے مگر اس میں بھی قدماء محدثین کے خیالات کی عکاسی کی گئی ہے۔ جدید تعلیم یافتہ طبقہ ایسی کتابوں سے زیادہ فائدہ نہیں حاصل کر سکتا کیونکہ احادیث کو پرکھنے کے جو طریقے ہمارے ہاں مروّج رہے ہیں ان سے جدید تعلیم یافتہ طبقہ مطمئن نہیں ہے۔ اسی طرح ایک انگریزی کتاب IMAM RAZI'S ILM AL-AKHLAQ امام رازی کا علم اخلاق ہے۔ اس سے امام رازی کے نظریۂ اخلاق کو سمجھنے میں تو مدد ملتی ہے مگر جدید اخلاقی مسائل اور نظریات پر کوئی روشنی نہیں پڑتی اگر مصنف نے ایک مقدمہ کتاب لکھ کر جدید نظریات اخلاق کے ساتھ امام رازی کے نظریہ اخلاق کا تقابل کیا ہوتا تو اس سے کتاب کی افادیت بڑھ جاتی۔

ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی کے کام کے اس مختصر جائزہ سے معلوم ہوگا کہ ادارہ نے اب تک ان طبقات اور حلقہ ہائے فکر کو نظر انداز کیا ہے جو پاکستان کی نظریاتی اساس کے مخالف ہیں مثلاً لادینی جمہوریت کے حامی اور لادینی اشتراکیت کے پرستار۔ قدامت پرست طبقہ لاکھ رجعت پسند سہی لیکن اس کے اور جدید روشن خیال طبقہ کے مابین بہت سی قدریں مشترک ہیں۔ دونوں اسلام کو ایک ابدی صداقت اور جامع نظام حیات تسلیم کرتے ہیں۔ دونوں اسلام کی عظمت کے قائل اور اپنے عظیم رُوحانی ورثہ پر نازاں ہیں۔ دونوں کو اپنے مسلمان ہونے پر فخر ہے۔ اس کے برعکس لادینی جمہوریت کے حامی اسلام کو ایک نظامِ حیات کی حیثیت سے نہیں مانتے۔ ان کے خیال میں اسلام ایک پرائیویٹ عقیدہ ہے جس کا اجتماعی زندگی اور اجتماعی مسائل سے کوئی واسطہ نہیں۔ انہیں اسلام کا نام لیتے ہوئے شرم آتی ہے اور انہیں اس بات پر کوئی فخر نہیں کہ وہ مسلمان ہیں۔ لادینی اشتراکی طبقہ ان سے بھی زیادہ خطرناک ہے اگر ان لوگوں کو غلبہ حاصل ہُوا تو اسلام کا ایک ایک نشان ملک سے ناپید ہو جائے گا۔ پاکستانی مسلمان ہندوستان کی متحدہ قومیت میں ضم ہو کر اپنا علیحدہ وجود کھو بیٹھیں گے اور ہندو مت ایک عظیم استعماری قوت بن کر سارے عالمِ اسلام پر چھا جائے گا۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ ادارۂ

تحقیقاتِ اسلامی ان دو طبقوں کے خیالات و نظریات کی تردید کے لئے کچھ کام کرے۔ ہمارے ادارہ سے کیمونزم پر اب تک کوئی کتاب شائع نہیں کی گئی جس میں اس کے فکری اور عملی نظام سے بحث کرتے ہوئے اسلامی نظامِ حیات کی برتری ثابت کی جاتی۔ اسی طرح قوم اور قومیتوں کے مسئلہ پر بھی ابھی تک ہم نے قلم نہیں اُٹھایا حالانکہ یہ ایک بڑا فتنہ ہے جس سے پاکستان کی جڑیں کٹتی ہیں۔ پھر ثقافت کے مسئلہ پر بھی ہمارے ادارہ سے کوئی کتاب شائع نہیں کی گئی جس میں اس امر پر روشنی ڈالی جاتی کہ پاکستانی ثقافت کیا ہے۔ اسلام سے اس کا کیا تعلق ہے۔ ملک میں متعدد ثقافتیں ہیں یا ایک ہی ثقافت ہے جو مختلف علاقوں میں مختلف شکلوں میں ظہور پذیر ہوتی ہے۔

اس امر کا جائزہ لینے کی بھی ضرورت ہے کہ یورپ میں عقلیت (RATIONALISM) کی تحریک کن اسباب سے پیدا ہوئی۔ کیا وہی اسباب و عوامل ہمارے پاکستانی معاشرہ میں بھی کارفرما ہیں۔ کیا کلیسا کی مانند اسلام بھی فکر و تعقل کا دروازہ بند کر دیتا ہے۔ اگر عقلیت سے مراد یہ ہے کہ تمام مسائلِ حیات عقل و خرد کی روشنی میں حل کئے جائیں تو یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ اسلام میں عقل و مصلحت کا کیا مقام ہے اور کیا اسلام نے معاشرہ کے مسائل حل کرنے میں بے عقلی کا ساتھ دیا ہے۔

ہمارے اصولِ فقہ میں مصلحت کے موضوع پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ یہاں مصلحت سے مراد افراد کی جزوی مصلحتیں نہیں بلکہ معاشرہ کے کلی مصالح ہیں۔ اس مواد کو اگر مرتب شکل میں پیش کیا جائے تو تعلیم یافتہ طبقوں کو معلوم ہوگا کہ اسلامی قانون سازی میں اجتہاد کا دروازہ کتنا کشادہ ہے اور معاشرتی حالات کے بدلنے سے قوانین میں اقتضائے وقت کے مطابق کیسی تبدیلیاں عمل میں لائی جا سکتی ہیں۔ افسوس کہ ہمارا قدامت پرست طبقہ اصول فقہ کے ان گوشوں سے نابلد ہے اور اس نے اجتہاد کا دروازہ بند کر کے عقلیت کے پرستاروں کو مواقع فراہم کئے ہیں کہ وہ اسلام پر جا و بے جا حملے کریں۔ اس لئے اگر اس موضوع پر کوئی کتاب لکھی جائے تو اس سے نہ صرف عقلیت پرستوں کی آنکھیں کھل جائیں گی بلکہ قدامت پرست طبقہ کے موقف پر بھی اثر پڑے گا۔

ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ مغربی جمہوریت اور اسلامی جمہوریت میں کیا فرق و اختلاف ہے۔ فکر و عمل کے جو نظامات یہ دونوں طرز جمہوریت معین کرتے ہیں ان میں کہاں تک ہم آہنگی پائی جاتی ہے اور کہاں تک

اختلاف۔ غرضکہ یہ تمام مسائل وقت کے زندہ مسائل ہیں اور ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی ان سے آنکھیں نہیں بند کر سکتا۔ مسلمانوں کے قدیم علوم و فنون اور سائنس پر تحقیقی کام یقیناً ضروری ہے مگر اس کے یہ معنے نہیں کہ ہم زندہ مسائل کو فراموش کر دیں۔ ہمارے ادارہ کے چیئرمین (CHAIRMAN) مولانا کوثر نیازی صاحب نے اپنی پہلی تقریر ہی میں اس طرف ہماری توجہ مبذول کرائی تھی۔ اب ضرورت ہے کہ اس کام کا آغاز کیا جائے اور اسلامی تحقیق کے کام کو زندگی کی حقیقی رفتار سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش شروع کی جائے۔

○—●—○

اعلان

ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی نے حال ہی میں کتب خانے کے اندر شعبۂ مجلات قائم کیا ہے، جس میں اسلامی موضوعات پر مضامین شائع کرنے والے رسائل جمع کئے جا رہے ہیں۔ ایسے مجلات کی سابقہ جلدوں کی تکمیل کے لئے ایک اعلان پہلے بھی کیا گیا تھا جس کے جواب میں کئی حضرات نے مختلف جگہوں پر قابلِ فروخت رسائل کا پتا دیا، مگر ان سے ہماری ضرورت پوری نہیں ہوئی۔ مزید تعاون درکار ہے۔ جن اصحاب کے پاس اس قسم کے مجلات برائے فروخت ہوں۔ از راہِ کرم شعبۂ مجلات کے انچارج سے رابطہ قائم کریں۔ مکمل جلدیں ہمارے لئے زیادہ کارآمد ثابت ہوں گی۔

احمد خان، انچارج شعبۂ مجلات

کتب خانہ ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد